حق مہر کی شرعی حقیقت اور رائج تصورات کا جائزہ

مولانا سید انور شاہ
جامعہ بیت السلام، کراچی

انسان کو زندگی گزارنے کے لیے جیسے خوراک، لباس اور مکان کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح خاندان بھی اس کی ایک نہایت اہم ضرورت ہے، خاندان کے بغیر زندگی قیدِ تنہائی سے کم نہیں، انسان کو زندگی کے تقریباً ہر اہم مرحلے میں خاندان کے تعاون اور رفاقت کی ضرورت پیش آتی ہے، خوشی ہو یا غمی دونوں کا حقیقی اندازہ اور اثر خاندان کی شرکت ہی سے مکمل ہوتا ہے۔ اگر خاندان کی دلجوئی اور ہمدردی شامل حال نہ ہو تو معمولی غم بھی ناقابلِ برداشت محسوس ہونے لگتا ہے، اسی لیے اسلام میں خاندانی نظام کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کو اپنے انعامات میں شمار فرمایا ہے: ''اِنَّا جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ'' (اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے) ہر شادی شدہ شخص کے ساتھ خاندان کی تین شاخیں وجود میں آتی ہیں، ددھیال، ننھیال، اور سسرال۔ یہ تینوں رشتے نکاح ہی کے ذریعے قائم ہوتے ہیں، اسی وجہ سے اسلام میں نکاح کو نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ نکاح مرد اور عورت کے درمیان انجام پانے والا قابلِ احترام عقد ہے، جس سے عائلی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، نکاح کے ذریعے دو اجنبی مرد و عورت ایک مودت و محبت اور اعتماد کی فضا میں زندگی گزارنے کا فیصلہ کرتے ہیں، اسلام رشتۂ نکاح کو پائیدار اور مستحکم دیکھنا چاہتا ہے، اسی لیے اس نے نکاح کے سلسلے میں ایسے احکام اور ہدایات دی ہیں، جن کے نتیجے میں دونوں کے حقوق کا مکمل تحفظ ہو جاتا ہے۔

انہی احکام میں سے ایک اہم حکم حقِ مہر ہے۔ مہر کے معاملے میں لوگ افراط و تفریط اور مختلف غلطیوں کا شکار ہیں، خاص کر یہ تأثر تو بہت زیادہ عام ہے کہ مہر جتنا کم سے کم طے کیا جائے، شریعت کی نگاہ میں اتنا ہی مستحسن ہے، اس کے علاوہ بھی مہر کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں لوگوں میں پائی جاتی ہیں، جن کی اصلاح نہایت ضروری ہے، لہٰذا اس تحریر میں ان غلطیوں کی نشاندہی کی جارہی ہے، تاکہ قارئین

ان سے آگاہ ہوکر درست طرزِ عمل اختیار کریں۔

حق مہر کی حقیقت

مہر دراصل شوہر کی طرف سے عورت کا ایک اعزاز واکرام ہے، یہ نہ تو عورت کی قیمت ہے، جسے ادا کرکے یہ سمجھا جائے کہ وہ شوہر کے ہاتھوں بک گئی ہے، اور اب اس کی حیثیت محض ایک لونڈی کی ہے اور نہ یہ محض ایک فرضی اور رسمی کارروائی ہے، جس کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ اسے عملاً ادا کرنے کی ضرورت نہیں، شرعی نقطہ نظر سے شوہر کے ذمہ بیوی کا مہر لازم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب کوئی شخص بیوی کو اپنے گھر میں لائے تو اس کا مناسب اکرام کرے، اور اسے ایسا ہدیہ پیش کرے جو اس کے اعزاز واکرام کے مناسب ہو، اس لیے شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ مہر کی مقدار نہ تو اتنی کم رکھی جائے، جس میں اعزاز واکرام کا یہ پہلو بالکل مفقود ہوجائے اور نہ اتنی زیادہ رکھی جائے کہ شوہر اس کی ادائیگی پر قادر نہ ہو، اور بالآخر یا تو مہر ادا کیے بغیر دنیا سے رخصت ہوجائے یا آخر میں بیوی سے معاف کرانے پر مجبور ہو۔

مہر کے تمام پہلو واضح ہونے چاہئیں

مہر کا تعین محض ایک فرضی یا رسمی کارروائی نہیں ہے، جو غور وفکر اور سوچے سمجھے بغیر کرلی جائے، بلکہ یہ ایک دینی فریضہ ہے جو پوری سنجیدگی اور بیداری کا محتاج ہے، شرعاً اس کے تمام پہلو واضح اور صاف ہونے چاہئیں اور اس کے مطابق ادائیگی کی فکر کرنی چاہیے۔

یہ بڑی ناانصافی ہوگی کہ اس حق کی ادائیگی سے ساری عمر بے فکر رہنے کے بعد بسترِ مرگ پر بیوی سے اس کی معافی حاصل کرلی جائے، جب ماحول کے جبر سے اس کے پاس معاف کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔

عورت کا حق مہر کتنا ہونا چاہیے؟

شرعی نقطہ نظر سے ہر عورت کا اصل حق یہ ہے کہ اسے ''مہر مثل'' دیا جائے، مہر مثل کا مطلب: لڑکی کے باپ کے خاندان کی وہ لڑکیاں جو مال، جمال، دین، عمر، عقل، شہر، باکرہ یا ثیبہ ہونے میں اس کے برابر ہوں، ان کا جتنا مہر تھا، اتنا مہر، مہر مثل ہے۔ خاندان کی لڑکیوں سے مراد اس کی بہنیں، پھوپھی زاد، چچا زاد بہنیں وغیرہ ہیں اور اگر اس لڑکی کے خاندان میں دوسری لڑکیاں نہ ہوں تو خاندان کے باہر اس کی ہم پلہ خواتین کا جو مہر عام طور سے مقرر کیا جاتا ہو، وہ اس لڑکی کا مہر مثل ہے، اور شرعی اعتبار سے بیوی مہر مثل وصول کرنے کی حقدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت باہمی رضامندی سے مہر کا تعین نہ کیا گیا ہو یا مہر کا ذکر کیے بغیر نکاح کرلیا گیا ہو تو مہر مثل خود بخود لازم ہوجاتا ہے، اور شوہر کے ذمہ شرعاً ضروری ہوجاتا ہے کہ

وہ بیوی کو اس کا مہر مثل ادا کرے۔ البتہ اگر بیوی خود مہر مثل سے کم پر خوش دلی سے راضی ہو جائے یا شوہر خوشی سے مہر مثل سے زیادہ مہر کی مقدار طے کر لے تو باہمی رضامندی سے مہر مثل سے کم یا زیادہ مقرر کر لینا جائز ہے، شریعت نے زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی حد مقرر نہیں کی ہے، البتہ کم سے کم مہر کی حد مقرر کر دی ہے۔

اقل مہر کی مقدار

مہر کی کم از کم مقدار حنفی مذہب کے مطابق دس درہم ہے۔ دس درہم کا مطلب دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے، موجودہ اوزان کے اعتبار سے اس کی مقدار ۳۰ گرام ۶۱۸ ملی گرام چاندی ہے، چاندی کی قیمت اوپر نیچے ہوتی رہتی ہے، آج کل ایک تولہ چاندی کی قیمت تقریباً چھ ہزار (۶۰۰۰) روپے ہے، اس حساب سے کم از کم مہر کی مقدار ۱۵۷۵۶ روپے بنے گی۔ اس کم سے کم مقدار کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اتنا مہر رکھنا شرعاً پسندیدہ ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس سے کم مہر پر اگر عورت خود بھی راضی ہو جائے تو شریعت راضی نہیں ہے، کیونکہ اس سے مہر کا مقصد، یعنی عورت کا اعزاز و اکرام پورا نہیں ہوتا، یہ کم از کم حد بھی ان لوگوں کا خیال کر کے رکھی گئی ہے، جو مالی اعتبار سے کمزور ہیں، اور زیادہ رقم خرچ کرنے کے متحمل نہیں، ان کے لیے یہ گنجائش دی گئی ہے کہ اگر عورت راضی ہو تو کم از کم اس مقدار پر نکاح ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب لینا ہرگز درست نہیں ہے کہ شریعت کو منظور ہی یہ ہے کہ مہر کی مقدار دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی یا اس کی قیمت طے کی جائے۔

معمولی مقدار میں مہر طے کرنا

لوگوں میں یہ تصور بہت زیادہ پھیلا ہوا ہے کہ مہر جتنا کم سے کم معمولی مقدار میں مقرر کیا جائے اتنا ہی شریعت کی نظر میں مستحسن اور افضل ہے، اچھے خاصے دیندار لوگ بھی اس غلط فہمی کا شکار ہیں، حالانکہ یہ تصور غلط اور بے بنیاد ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مہر پانچ سو درہم مقرر کیا تھا، جو ۱۳۱ تولہ تین ماشہ چاندی کے برابر ہوتا ہے۔ موجودہ حساب کے اعتبار سے اس کی مقدار ۱.۵۳۰۹ کلوگرام چاندی ہے، چاندی کی قیمت اوپر نیچے ہوتی رہتی ہے، آج کل ایک تولہ چاندی کی قیمت تقریباً چھ ہزار (۶۰۰۰) روپے ہے، اس لحاظ سے مہر فاطمی کی مقدار پاکستانی ۷۸۷۰۱ روپے بنے گی۔ خود جناب نبی کریم ﷺ نے اپنی متعدد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا مہر بھی اس کے قریب قریب ہی مقرر کیا، جو اوسط درجے کے اعتبار سے ایک قابلِ لحاظ مہر ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے لائق ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں ایک مرتبہ

تقریر کے دوران لوگوں سے فرمایا کہ: وہ نکاح میں بہت زیادہ مہر نہ باندھا کریں۔ اس پر ایک خاتون نے اعتراض کیا کہ قرآن کریم نے ایک جگہ مہر کے لیے ''قنطار'' (سونے چاندی کا ڈھیر) کا لفظ استعمال کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چاندی کا ڈھیر مہر ہوسکتا ہے، لہٰذا آپ کا زیادہ مہر مقرر کرنے سے منع کرنا درست نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاتون کی بات سن کر فرمایا: واقعی خاتون کا استدلال اور بات ٹھیک ہے، اور کلی طور پر زیادہ مہر رکھنے سے منع کرنا درست نہیں۔ (السنن الكبرى للإمام البيهقي، كتاب الصداق، ۲۳۳/ ۷) مطلب یہی تھا کہ اگر دکھاوا مقصود نہ ہو، ادائیگی کی نیت بھی ہو اور استطاعت بھی ہو تو زیادہ مہر مقرر کرنا بھی جائز ہے۔ یہاں یہ اصول مدِنظر رکھنا ضروری ہے کہ مہر اتنا ہو جس سے بیوی کا اعزاز و اکرام بھی ہو اور شوہر کی استطاعت سے باہر بھی نہ ہو، جن حضرات نے زیادہ مہر باندھنے سے منع فرمایا، ان کا مقصد یہی تھا کہ اگر استطاعت سے زیادہ مہر مقرر کرلیا جائے تو وہ محض ایک کاغذی کارروائی ہو کر رہ جاتی ہے، حقیقت میں اسے دینے کی کبھی نوبت ہی نہیں آتی، اور مہر ادا نہ کرنے کا گناہ شوہر کی گردن پر رہ جاتا ہے۔ دوسرے بعض اوقات بہت زیادہ مہر مقرر کرنے کے پیچھے نام ونمود اور دکھاوے کا جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے، لوگ محض اپنی شان وشوکت کے اظہار کے لیے غیر معمولی مہر مقرر کر لیتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ دونوں باتیں اسلام کے پاکیزہ اور مقدس مزاج کے متصادم ہیں، اس لیے متعدد علمائے کرام نے غیر معمولی مہر مقرر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

مہر فاطمی بہتر ہے یا شوہر کی حیثیت کا لحاظ کرنا

بعض حضرات مہر فاطمی کو مہر شرعی کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں، ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ شرعی اعتبار سے اس سے کم یا زیادہ مہر مقرر کرنا پسندیدہ نہیں، یہ تصور بھی غلط ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر فریقین مہر فاطمی کے برابر مہر طے کرلیں اور نیت یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کی ہوئی مقدار بابرکت اور معتدل ہے اور اتباعِ سنت کے اجر کا بھی قصد ہو، تو یقیناً یہ جذبہ بہت مبارک اور مستحسن ہے، لیکن یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ یہ مقدار اس معنی میں شرعی ہے کہ اس سے زیادہ یا کم مہر مقرر کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے کم یا زیادہ مہر مقرر کرنے میں شرعی نقطہ نظر سے کوئی قباحت نہیں ہے، ہاں! یہ اصول مدِنظر رکھنا ضروری ہے کہ مہر اتنا ہو جس سے بیوی کا اعزاز واکرام بھی ہو اور شوہر کے گنجائش سے باہر بھی نہ ہو۔

مہرِ معجّل اور مؤجل کے متعلق غلط فہمی

مہر کی مشہور دو قسمیں ہیں: ۱۔ مہر معجّل، ۲۔ مہر مؤجل۔ یہ الفاظ عقد نکاح کے موقع پر سنائی دیتے

ہیں،لیکن بہت سے لوگوں کوان کا مطلب معلوم نہیں ہوتا۔شرعی اعتبار سے''مہرمعجّل''اس مہرکو کہتے ہیں جو نکاح ہوتے ہی شوہر کے ذمہ لازم ہوجاتا ہے،اب اس کا فریضہ یہ ہے کہ یاتو نکاح کے وقت ہی ادا کردے یااس کے بعد جتنا جلدی ممکن ہو،عورت کوبھی یہ حق حاصل ہے کہ جب چاہے اس کا مطالبہ کرسکتی ہے۔چونکہ ہمارے معاشرے میں خواتین عام طور سے مطالبہ نہیں کرتیں،اس لیے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس کی ادائیگی ہمارے ذمہ ضروری نہیں، بلکہ شوہر کے ذمہ لازم ہے کہ وہ عورت کے مطالبے کا انتظار کیے بغیر جس قدر جلد ممکن ہواس فریضہ سے سبکدوش ہوجائے۔

''مہرِمؤجل''اس مہرکوکہا جاتا ہے جس کی ادائیگی کے لیے فریقین نے آئندہ کوئی تاریخ متعین کی ہو،مثلاً دوسال بعدشوہرمہرادا کرے گا،وغیرہ۔مہرِمؤجل کا مطالبہ عورت مقررہ میعاد سے پہلے کرنے کی مجاز نہیں،لہٰذا مہر کے مؤجل ہونے کا اصل مطلب یہ ہے کہ اس ادائیگی کے لیے کوئی تاریخ نکاح کے وقت ہی مقرر کرلی جائے،لیکن ہمارے معاشرے کے رواج کے مطابق اس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ مہر کی یہ مقدار اس وقت واجب الادا ہوگی جب نکاح ختم ہوگا، چنانچہ اگر طلاق ہوجائے تب مہرمؤجل کی ادائیگی لازم ہوگی،یا میاں بیوی میں سے کسی کا انتقال ہوجائے،تب اس کی ادائیگی لازم سمجھی جاتی ہے۔

نام ونمود اور دکھاوے کے لیے زیادہ مہر مقرر کرنا

فخر ومباہات، نام ونمود اور دکھاوے کے لیے زیادہ مہر مقرر کرنا غلط ہے۔اس سلسلے میں ایک کوتاہی لڑکی کے والدین اوراس کے عزیز واقارب کی جانب سے یہ ہوتی ہے کہ مہر مقرر کرتے وقت لڑکے کی حیثیت اور استطاعت کا لحاظ نہیں کرتے، بلکہ زیادہ سے زیادہ مہر طے کرنے کی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ بعض اوقات اس سلسلے میں شور شرابا اور جھگڑے کی صورت پیدا ہوجاتی ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر بعض مرتبہ اسی جھگڑے میں نکاح اور شادی رک جاتی ہے،لوگ زیادہ مہر مقرر کرنے کو باعثِ فخر سمجھتے ہیں،لیکن غیر معمولی مہر مقرر کرکے اس کو فخر کی چیز سمجھنا، اس پر جھگڑے کھڑے کرنا اور باہمی رنجش کی بنیاد بنالینا جاہلیت کے جراثیم ہیں،جن سے مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔

سوا بتیس روپے مہر

ایک کوتاہی بعض حلقوں میں یہ رائج ہے کہ وہ سوا بتیس روپے کو مہرِشرعی سمجھتے ہیں،اس کو مہرِمحمدی بھی کہتے ہیں،جو بالکل غلط ہے۔خدا جانے یہ غلطی کہاں سے چلی ہے؟ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا: مہر کی کم از کم مقدار دس درہم یعنی دوتولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے۔اس سے کم مہر مقرر کرنا درست نہیں ہوتا۔

پہلے بیٹے کے لحاظ سے مہر طے کرنا

بعض لوگوں میں یہ غلطی پائی جاتی ہے کہ وہ مہر کے تعین میں پہلے بیٹے کا لحاظ کرتے ہیں۔ پہلے بیٹے کی بیوی کے لیے جتنا مہر مقرر کیا ہوتا ہے، اسی مقدار کو دوسرے بیٹے کی بیوی کے لیے بھی طے کرتے ہیں اور اس پر باقاعدہ اصرار کرتے ہیں، حالانکہ شرعاً مہر کے تعین میں پہلے بیٹے کی بیوی کا اعتبار نہیں کیا جاتا، بلکہ عورت کے اپنے خاندان کی ہم پلہ خواتین کا اعتبار کیا جاتا ہے، جیسا کہ ماقبل میں تفصیل بیان کی گئی ہے۔

مہر ادا کرنے کی نیت نہ ہو

ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ مہر ادا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ یہ رواج بنتا جارہا ہے کہ لوگ زیادہ مہر مقرر کرلیتے ہیں اور ان کے دل میں یہ ہوتا ہے کہ مہر دینا نہیں ہے۔ حدیث پاک میں ایسے لوگوں کے متعلق بہت سخت وعید آئی ہے۔ حدیث پاک کے مطابق جو شخص نکاح کرے اور مہر ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو، وہ زانی ہے۔ (مسند احمد، ج:۴، ص:۳۳۲، طبع: بیروت)

شرما شرمی میں مہر معاف کرنا

ہمارے معاشرے میں ایک کوتاہی یہ پائی جاتی ہے کہ عورتوں کے لیے مہر لینا معیوب اور برا سمجھا جاتا ہے، اسی طرح میراث کا حصہ لینا بھی عیب سمجھا جاتا ہے، اس لیے خاتون شرما شرمی میں اور ماحول کے جبر سے معاف کردینا ضروری سمجھتی ہیں۔ اگر تو نہ کریں تو معاشرے میں ''نکو'' سمجھی جاتی ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس معاشرتی برائی کو بالکلیہ ختم کریں اور خواتین کو مہر اور میراث کا حصہ دلوائیں۔ اگر وہ معاف کرنا چاہیں تو ان سے کہہ دیا جائے کہ وہ اپنا حق وصول کرلیں اور کچھ عرصہ اپنے تصرف میں رکھنے کے بعد اگر چاہیں تو مرضی وخوشی اور رضامندی سے واپس لوٹا دیں۔ اس سلسلے میں ان پر ہرگز جبر نہ کیا جائے۔

ڈرا دھمکا کر زبردستی مہر معاف کروانا

اگر شوہر یا اس کے علاوہ کسی نے عورت کو ڈرا دھمکا کر مہر معاف کروایا تو مہر معاف نہ ہوگا، بلکہ شوہر کے ذمہ بدستور واجب ہوگا۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، ج:۱، ص:۳۱۳، ط: سعید)

انسدادِ مفاسد کے لیے مہر کی تحدید کرنا

لوگوں پر مہر کی ایک متعین مقدار مقرر کرکے لازم کرنا، تاکہ بعض برادریوں اور قبائل کی مہر کے بارے میں جو افراط وتفریط پائی جاتی ہے، اس کا سدِ باب اور خاتمہ ہوجائے، جائز نہیں ہے، اس لیے کہ مہر کی

ادنیٰ مقدار تو شریعت میں موجود ہے، لیکن زیادہ کی کوئی حد شریعت نے مقرر نہیں کی ہے، لہٰذا حاکم وقت، کسی فرد یا جماعت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ برادریوں کے لیے یا قبائل وغیرہ کے لیے مہر کی کوئی خاص مقدار مقرر کر کے ان پر لازم کر دے کہ اس میں کمی و اضافہ کی اجازت ہی نہ رہے اور ہر شخص اس مقدار پر مجبور ہو جائے، کیونکہ مہر بیوی کا حق ہے، دیگر لوگ اس کے مقرر کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ البتہ دیگر لوگ مناسب مہر مقرر کرنے کی اپیل کر سکتے ہیں۔

طلاق کی صورت میں مہر کے اضافے کی شرط

طلاق ایک ناپسندیدہ چیز ہے اور ساتھ ہی بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی ہے، لیکن اس کے غلط اور بے جا استعمال سے معاشرہ میں بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، جس سے مرد و عورت اور سارا خاندان متأثر ہوتا ہے، لہٰذا طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لیے اگر عقدِ نکاح کے وقت یوں مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر دو لاکھ روپے ہے اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو پھر عورت کا مہر ایک لاکھ روپے ہے، اس طرح مہر طے کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ شوہر مہر کی بڑی رقم سے بچنے کے لیے ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا غیر مشروع اقدام نہ کرے، آیا اس طرح مہر طے کرنا جائز اور معتبر ہے یا نہیں؟

اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے فقہ کی اس مشہور مسئلہ سے رہنمائی لی جا سکتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت اس طرح مہر طے ہو کہ شوہر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار ہوگا اور اگر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے گیا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا۔ اس مسئلے میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس مہر کا پہلے ذکر کیا گیا ہے، اسی کا اعتبار کیا جائے گا اور پہلی شرط پائی جانے کی صورت میں متعین کردہ مہر یعنی مہرِ مسمیٰ لازم ہوگا، اور دوسری شرط پائی جانے کی صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ مہرِ مثل لازم ہوگا، اس شرط کے ساتھ کہ مہرِ مثل مہرِ مسمی سے زائد نہ ہو۔ حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک دونوں شرطیں درست ہیں اور ہر دو صورت میں متعین کردہ مہر یعنی مہرِ مسمی لازم ہوگا۔

موجودہ زمانے میں جبکہ کثرتِ طلاق کی وباء عام ہوتی جا رہی ہے، عوام الناس معمولی معمولی باتوں پر بلاخوف و خطر طلاق دیتے ہیں، جو ایک تشویشناک امر ہے اور وقوعِ طلاق کے نتیجے میں پورے معاشرے میں تباہی و بربادی آتی ہے، جس کے بے حد نقصانات ہیں، مثلاً: زوجین اور ان کے رشتہ داروں کے درمیان عداوت، دشمنی، کینہ، اور بغض و حسد پیدا ہو جاتا ہے، انسان کا بسا بسایا گھر اُجڑ جاتا ہے، بچے بے سہارا ہو جاتے ہیں، ان کی پرورش و پرداخت اچھی اور نشوونما عمدہ نہیں ہو پاتی، طرفین کا سکون ختم ہو جاتا

ہے، قرآن وسنت کی خلاف ورزی لازم آجاتی ہے، حتیٰ کہ بسا اوقات یہ نوبت بھی آجاتی ہے کہ دونوں خاندان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوجاتے ہیں، لہٰذا طلاق کی بے جا اور غلط استعمال کو روکنے اور کثرتِ طلاق پر بند باندھنے کے لیے صاحبینؒ کے قول پر عمل کی گنجائش نکل سکتی ہے، خاص کر جب کہ مہر کی یہ جہالت مفضی الی النزاع بھی نہیں ہے۔ ہدایہ میں ہے:

''و لو تزوجها على ألف إن أقام بها، و على ألفين إن أخرجها، فإن أقام بها فلها الألف، و إن أخرجها فلها مهر المثل، لا يزاد على ألفين و لا ينقص عن الألف، و هذا عند أبي حنيفةؒ، و قالا: الشرطان جميعًا جائزان، حتى كان لها الألف إن أقام بها، و الألفان إن أخرجها.''

(ہدایہ، ج:۲، ص:۴۵، ط:البشری، سن الطباعۃ:۱۴۳۶ھ)

دوسری عورت سے نکاح کی صورت میں مہر کی زیادتی کی شرط

اگر عقدِ نکاح کے وقت اس طرح مہر مقرر کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقدِ نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر دو لاکھ روپے ہوگا اور اگر اس عورت کے عقدِ نکاح میں رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر ایک لاکھ روپے ہوگا، تو جیسا کہ ماقبل میں تفصیل ذکر کی جاچکی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پہلی شرط پائی جانے کی صورت میں متعین کردہ مہر یعنی مہرِ مسمی لازم ہوگا اور دوسری شرط پائی جانے کی صورت میں مہرِ مثل لازم ہوگا اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر ہوں گی اور ہر دو صورتوں میں مہرِ مسمی لازم ہوگا۔

عورت کے لیے نکاح میں ملازمت کی شرط لگانا

دورِ حاضر میں جہاں مردوں کے لیے اعلیٰ تعلیم کا رواج عروج پر ہے، وہیں ہمارے مسلم معاشرہ کی عورتوں میں بھی اعلیٰ تعلیم کا رواج کافی عام ہوتا جارہا ہے، چنانچہ تعلیم کے بعد بہت سی عورتیں مختلف ملازمتوں سے وابستہ ہوجاتی ہیں، یا وابستہ ہونے کی کوشش میں لگی رہتی ہیں، اور چونکہ موجودہ دور کے مسلم دنیا کے اکثر حکمران مغربی نظریات وافکار سے مرعوب زدہ ہیں، ان کے آزادیِ نسواں کے خوشنما نعروں سے متأثر ہیں، اس لیے وہ بھی عورتوں کی ملازمت پر خاص توجہ اور دھیان دیتی ہے، اس سلسلے میں ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کرتی ہے اور اسے گھر سے باہر نکال کر ملازمت سے وابستہ اور جوڑتی ہے، اس پس منظر میں اگر ایسی عورتیں نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگاتی ہیں کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے یا آئندہ ملنے والی ملازمت سے نہیں روکے گا اور شوہر عقدِ نکاح کے وقت اس شرط کو قبول کرتا ہے تو اس

شرط کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ شوہر کے لیے اس شرط کی پابندی ضروری ہوگی یا نہیں؟ اور اگر شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے باوجود عورت کو ملازمت چھوڑنے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت کرنے سے منع کرتا ہے تو عورت کے لیے شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی یا نہیں؟

اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ خاندانی زندگی کے بارے میں اسلام کا بنیادی تصور یہ ہے کہ کسبِ معاش، خاندان کی کفالت اور گھر سے باہر ذمہ داریوں کی تکمیل مرد کے ذمہ ہے، جبکہ بچوں کی پرورش و تربیت، شوہر کی خدمت اور گھریلو نظم ونسق سنبھالنے کی ذمہ داری عورت کی ہے، جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کام کی تقسیم یوں فرمائی کہ گھریلو جو امور ہیں، ان کو انجام دینے کی ذمہ داری حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ڈالی اور گھر کے باہر کے جو امور ہیں ان کی خدمت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔

قرآنِ مجید میں اندرونِ خانہ کی ذمہ داریاں، بچوں کی پرورش، شوہر کے مال کی نگہداشت اور گھر کے ماحول کو سنوارنے کی ذمہ داری عورت پر ڈالتے ہوئے کہا گیا ہے:

''وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ'' ترجمہ: ''اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔''

''فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ'': ترجمہ: ''نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں، مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی دی ہوئی حفاظت سے اس کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ کام جس کی انجام دہی کے لیے عورت کو گھر کی چار دیواری سے باہر جانا پڑے اور عورت کے باہر کے کاموں میں مصروف رہنے کی وجہ سے شوہر کا حق متأثر ہوتا ہو یا اسے ضرر لاحق ہو تو شوہر کو ایسے کاموں سے اپنی بیوی کو روکنے کا حق حاصل ہے۔

غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ شریعت نے حقوقِ زوج کا کتنا خیال رکھا ہے، اگر بیوی ملازمت کے لیے نکلے گی تو یقینی بات ہے کہ پورے دن تھکی ماندی رہے گی، جب شام میں گھر آئے گی تو اپنے آرام و سکون کی فکر میں رہے گی، شوہر کا کیا خیال رکھے گی؟ بچے کی بھی صحیح تربیت نہیں کر سکے گی، گھر کا نظام بھی درست نہ رکھ سکے گی، جو عورت کا اہم فریضہ ہے۔ فقہائے کرام نے جو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اگر عورت علمی مجلس میں جانا چاہتی ہے اور شوہر اس کو وہاں جانے سے منع کرے تو عورت کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس کی اجازت کے بغیر وہاں چلی جائے۔ (خانية على هامش الهندية: ٤٤٣/١)

دوسری بات یہ ہے کہ جب شوہر کے ذمہ بیوی کا نان ونفقہ شرعاً واجب ہے تو بیوی کو ملازمت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ خاص کر آج کل کے پرفتن دور میں جہاں ہر چار جانب فحاشی، عریانی،

بے حیائی اور بے پردگی عام ہے اور عام طور پر ملازمت دینے والے اداروں میں بے پردگی، مردوں سے اختلاط و آزادی اور غیر محرم سے بلا حجاب بے تکلفی کے ساتھ بات کرنا عام معمول کی بات ہے، دوسری طرف مغرب کی تقلید میں عورت کی ملازمت اور بے جا حقوق کی بات کی جارہی ہے تو ایسے میں شوہر پر ضروری ہے کہ فتنہ کی وجہ سے عورت کو ملازمت کی اجازت ہی نہ دے۔ عورت چراغِ خانہ ہے، شمع محفل نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ شوہر کو شرط قبول کرنے کے باوجود ملازمت ختم کرنے کا حکم دینے یا نئی ملازمت سے روکنے کا اختیار باقی رہے گا اور اس سلسلے میں شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی، یہ شرط فاسد اور لغو ہو جائے گی، شوہر پر اس کا ایفا لازم نہیں ہوگا۔

البتہ اگر کسی ایسے اسکول میں ملازمت ہو جہاں سارا نظام عورتوں کے ہاتھ میں ہو یا کوئی مدرسۃ البنات ہو جہاں مردوں کے داخلہ پر پابندی ہو اور آنے جانے میں بے پردگی کے فتنے سے بچاؤ کا اہتمام ہو اور شوہر بھی مکمل مطمئن ہو تو ایسی صورت میں شوہر کو اجازت دینی چاہیے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....